افغانستان میں امن کوششیں اور کشمیر

افتخار گیلانی

دوحہ میں امریکا اور طالبان کے درمیان، مذاکرات کے ازسرنو آغاز کے ساتھ اب یہ یقینی لگ رہا ہے کہ فریقین سنجیدگی کے ساتھ کسی معاہدے کو حتمی شکل دینے میں مصروف ہیں۔ حال ہی میں افغانستان کی حزب اسلامی کے ایک اہم رہنما اور ملکی انتخابات میں نائب صدر کے لیے امیدوار پروفیسر فضل ہادی وزین (شعبہ اسلامیات، سلام یونی ورسٹی، کابل) سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے دھیمے لہجے اور دل کو چھو لینے والے دلائل سے سوالات کے جواب دیے۔

● ان سے پہلا سوال کیا: ''افغانستان میں امن کے حوالے سے کیا پیش رفت ہو رہی ہے اور 'امریکا، طالبان مذاکرات' کا کیا مستقبل ہے؟''

پروفیسر وزین نے بتایا: ''دوحہ میں مذاکرات کا مثبت پہلو یہ ہے کہ فی الوقت فریقین افغانستان میں امن و استحکام کے متمنی ہیں۔ افغانستان نہ صرف جنوبی ایشیا اور وسط ایشیا بلکہ مغربی ایشیا، یعنی ایران کے لیے بھی ایک پُل کا کام کرتا ہے۔ اس لیے افغانستان میں عدم استحکام کا براہ راست اثر پورے خطے پر پڑتا ہے۔ افغانستان سے غیرملکی افواج کا انخلا صرف طالبان ہی کی منزل نہیں ہے، بلکہ افغان عوام میں غیرملکی مداخلت کے خلاف ایک ماحول سا بن گیا ہے۔ وہ اپنے اندرونی معاملات میں اب بیرونی مداخلت کے قائل نہیں ہیں۔ امریکیوں کو معلوم ہے کہ وہ ۱۸ سالہ جنگ ہار چکے ہیں۔ وہ بس ایک باعزت واپسی کا بہانہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ مغربی ممالک کی یہ پالیسی کہ بہانہ ایران، ٹھکانہ افغانستان اور نشانہ پاکستان، اب فرسودہ ہو چکی ہے''۔

دوحہ میں طالبان، امریکی مذاکرات کے حوالے سے ان کا کہنا تھا: ''ملک میں سیاسی جماعتیں

خاصی پُرامید ہیں۔ اگرچہ امریکا کے سیماب صفت صدر ٹرمپ نے پچھلے ستمبر میں ان مذاکرات کو منسوخ کر دیا تھا، مگر پس پردہ فریقین روابط قائم رکھے ہوئے تھے۔ ابھی تک امریکا اور طالبان کے درمیان مذاکرات کے دس دور ہو چکے ہیں۔ تاہم، طالبان کو جنگ بندی پر آمادہ کرانے اور انخلا کے ساتھ ساتھ کابل میں ایک وسیع البنیاد حکومت کے قیام پر ابھی تک معاملہ واضح نہیں ہوسکا۔ توقع ہے کہ سمجھوتے میں اب زیادہ وقت درکار نہیں ہوگا۔ ایسا نہیں ہے کہ امریکا، طالبان یا افغان عوام کو کوئی رعایت دے رہا ہے، وہ خود ہی افغانستان سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے''۔

پروفیسر وزین نے خبردار کیا کہ: ''امریکا اور طالبان کے درمیان معاہدہ، امن مساعی کے زینے کا بس ایک پہلو ہے، اس کو کئی اور مراحل سے گزرنا ہے۔ اس معاہدے کے فوراً بعد اگر افغانستان کے اندر فریقین کے درمیان مذاکرات کا سلسلہ شروع نہیں ہوا، تو ملک ایک بار پھر خانہ جنگی کی آگ میں جھلس جائے گا۔ اس لیے تمام فریقوں کے لیے لازم ہے کہ ایک حتمی اور پائے دار امن کی خاطر افغانستان کی سبھی سیاسی جماعتوں، طالبان اور کابل حکومت کے درمیان مذاکرات کے سلسلے اور روابط پر دھیان مرکوز رکھیں۔ ورنہ ان امن مساعی کا بھی وہی حشر ہوگا، جو ماضی میں ہوتا آیا ہے۔ دوسرے مرحلے کے یہ مذاکرات 'امریکا، طالبان مذاکرات' سے زیادہ پیچیدہ ہوں گے۔ ان مذاکرات میں ملک کے آئین، نظام حکومت اور دیگر اہم امور کا تعین کیا جائے گا''۔

● ان سے سوال پوچھا: ''سوویت جنگ کے دوران تو حزب اسلامی اور اس کے قائد گل بدین حکمت یار کا طُوطی بولتا تھا۔ حکمت یار اس کے بعد دو بار وزیر اعظم کے عہدے پر بھی فائز رہے، مگر طالبان کے وجود میں آنے کے بعد وہ اچانک منظرنامے سے غائب ہو گئے اور پھر ۲۰۱۶ء میں دوبارہ کابل میں وارد ہو گئے۔ اس وقت ان کی کیا حیثیت ہے؟''

پروفیسر وزین صاحب نے بتایا کہ ''حکمت یار منظر نامہ سے غائب نہیں ہوئے تھے۔ وہ بس بیک گراونڈ میں تھے۔ امریکی افواج کی مداخلت اور طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد حزبِ اسلامی ہی حکمت یار کے حکم کے مطابق امریکی افواج سے برسرپیکار تھی، کہ جب تک طالبان نے مجتمع ہوکر دوبارہ طاقت حاصل کی۔ دوسال قبل ہم نے محسوس کیا کہ ملک ایسی جنگ وجدل کا متحمل نہیں ہوسکتا، کہ اس کے حالات کا براہ راست اثر ہمسایہ ممالک خصوصاً پاکستان پر پڑتا ہے۔ اس لیے

حکمت یار نے کابل آکر پس پردہ امن کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ انھوں نے کافی کام کیا، جن کے نتائج اب آپ کے سامنے ہیں۔ ۲۰۱۹ء کے صدارتی انتخابات سے قبل حکمت یار نے 'امن وعدل اسلامی پارٹی' اور اس نئی پارٹی کے ٹکٹ پر انتخابات میں قسمت آزمائی کی۔ افغانستان میں ہر کوئی آپ کو بتائے گا کہ انتخابی مہم کے دوران، افغانستان کے طول وعرض میں سب سے بڑے اور پرہجوم جلسے اور جلوس، اسی پارٹی کے تھے۔ ہم نے ثابت کر دیا کہ ہماری پارٹی کسی خاص نسل اور علاقے کی نمایندگی نہیں کرتی ہے، بلکہ پورے ملک کی نمایندہ تنظیم ہے''۔

● صدارتی انتخابات پر پوچھا: ''افغانستان میں انتخابات اکثر اختلاف راے کا شکار ہوجاتے ہیں۔ آخر شفاف انتخابات کو روبہ عمل میں لانے میں کیا رکاوٹ ہے؟''

پروفیسر وزین نے کہا: ''بیرونی مداخلت، ذاتی مفادات اور ایک ٹولے کا رویہ، جو ہر حالت میں اقتدار کے ساتھ چمٹ کر رہنا چاہتا ہے، اس نے انتخابات کی غیر جانب داری پر سوالیہ نشان کھڑے کر دیے ہیں۔ افغانستان کی ۳ کروڑ ۵۰ لاکھ کی آبادی میں صرف ۵۰ لاکھ افراد نے حالیہ ووٹنگ میں حصّہ لیا، جب کہ ۷۰ لاکھ ۹۰ ہزار افراد نے اپنے آپ کو بطور ووٹر رجسٹر کرالیا تھا۔ بیرون ملک مقیم ۶۰ لاکھ افغان تارکینِ وطن بھی راے دہی کے حق سے محروم تھے۔ ان کے علاوہ ملک کے اندر بسنے والے ۳۰ لاکھ مہاجرین نے بھی ووٹنگ میں حصّہ نہیں لیا۔ علاوہ ازیں ووٹنگ کا عمل بھی خاصا پیچیدہ تھا۔ کافی ووٹرز حق راے دہی سے محروم رہ گئے۔ علاوہ ازیں کئی غیر ملکی سفارت خانوں نے کھلے عام اپنے چہیتے امیدواروں کے لیے کام کیا۔ اگر کسی اور ملک میں اس طرح کا کوئی واقعہ ہوجاتا تو ایک طوفان کھڑا ہوجاتا۔ کسی بھی ملک کے جمہوری نظام میں غیر ملکی مداخلت کا مطلب اس کو سبوتاژ کرنا ہے۔ اس کے لیے بین الاقوامی سطح پر سخت قوانین بننے چاہییں۔ انتخابی نتائج کچھ بھی ہوں، یہ تناؤ کو کم کرنے میں مدد نہیں کریں گے، بلکہ ان سے مزید بحران پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا، سبھی فریقوں کو انٹرا افغان مذاکرات کی تیاری کر کے اس پر اپنی توجہ مرکوز رکھنی چاہیے۔ یہ جتنی جلد ہوگا، افغانستان کے حق میں اتنا ہی اچھا ہوگا۔ امریکا کے ساتھ مذاکرات کے اختتام پر طالبان کو اس میں شرکت کرنی چاہیے، تاکہ کابل میں حکومت سازی پر اتفاق راے پیدا ہو، اور یہ اتفاق راے کسی بھی بیرونی مداخلت سے پاک ہو''۔

● پروفیسر صاحب سے پوچھا: ''افغانستان تو فی الوقت بھارت، پاکستان، چین اور امریکا کے درمیان ایک مسابقت کا میدان بنا ہوا ہے۔ وہ آخر کیوں کر اتنی جلدی افغانستان کو بخش دیں گے؟''

موصوف کا کہنا تھا کہ: ''ہم بھی ان ممالک سے کہہ رہے ہیں کہ افغانستان میں مداخلت بند کر دیں۔ جس طرح افغانستان کسی دوسرے ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کرتا ہے، آپ بھی افغانستان کی خودمختاری اور آزادی کا احترام کریں''۔

● پھر سوال پوچھا: ''بھارت کو خدشہ ہے کہ کابل میں طالبان کی واپسی سے اس خطے میں دوبارہ بدامنی پیدا ہوسکتی ہے؟''

پروفیسر وزین نے سخت لہجے میں کہا کہ: ''طالبان کوئی آسمانی مخلوق تو نہیں ہیں، وہ افغانستان کے شہری ہیں۔ اس ملک پر ان کا اتنا ہی حق ہے، جتنا کسی اور کا ہے۔ ہم سبھی ممالک سے اپیل کرتے ہیں کہ کابل میں اقتدار کے لیے اپنی پسند و ناپسند کو معیار نہ بنائیں، بلکہ یہ حق افغان عوام کو دیں۔ بلاشبہہ بھارت کے افغانستان کے ساتھ قدیمی تاریخی روابط ہیں اور پاکستان کے ساتھ ہمارے گہرے برادرانہ تعلقات اور مشترکہ مفادات ہیں۔ گذشتہ برسوں میں، بھارت نے افغانستان کی تعمیر و ترقی کے لیے جو سرمایہ کاری کی ہے، افغان عوام میں اس کی پذیرائی ہے، مگر جو کچھ آج کل کشمیر میں ہو رہا ہے، اور اس کی خبریں بھی افغانستان پہنچ رہی ہیں، اس سے افغان عوام خاصے رنجیدہ ہیں۔ دنیا کے دیگر امن پسند عوام کی طرح ان کا بھی بھارت سے مطالبہ ہے کہ پاکستان کے ساتھ مذاکرات کے ذریعے کشمیری عوام کی خواہشات کو مدنظر رکھ کر اس مسئلے کا پایے دار اور منصفانہ حل ڈھونڈ نکال لیں، ورنہ ایک طرف افغانستان میں امن قائم ہو رہا ہے، تو دوسری طرف اسی خطے کا دوسرا حصّہ عدم استحکام کا باعث بنایا جا رہا ہے۔ اس کا خمیازہ ہم سب کو بھگتنا پڑے گا۔ یہ کسی ملک کا اندرونی معاملہ نہیں ہے۔ اس خطے کے ممالک کو اس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے''۔

● میں نے پوچھا: ''افغانستان میں داعش کے حوالے سے خبروں میں کتنی حقیقت ہے؟

ان کا کہنا تھا کہ: ''ایک باضابطہ منصوبے کے ذریعے چند عناصر داعش کا ہوّا کھڑا کر کے غیرملکی افواج کے انخلا کو روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حالانکہ داعش کا افغانستان میں کبھی کوئی وجود نہیں رہا ہے۔ کئی بار ان کو یہاں کھڑا کرنے کی سازشیں ہوئیں، مگر وہ ناکام ہوگئیں۔ امریکی محکمہ

سی آئی اے اور امریکی محکمہ دفاع متضاد بیانات دے رہے ہیں۔ آخر شام اور عراق میں شکست سے دوچار ہونے کے بعد داعش مشرقی افغانستان میں کیسے نمودار ہوگئی؟ اور وہ بھی ایسے علاقے میں جہاں امریکی اور افغان فوج خاصی سرگرم ہے۔ افغانستان، افغان عوام کا ہے اور وہ اس کا بُرا بھلا سمجھتے ہیں اور اس کی آزادی اور خودمختاری کو برقرار اور بحال رکھنا بھی خوب جانتے ہیں ـــــ افغان باقی کوہسار باقی''۔

ملاقات ختم ہونے پر، پروفیسر وزین کی یہ بات رہ رہ کر کانوں میں گونج رہی تھی: ''کشمیر کی صورت میں جنوبی ایشیا کے پچھواڑے میں ایک اور افغانستان بنایا جا رہا ہے''، جہاں فی الوقت ۸۰ لاکھ سے زیادہ نہتے اور مظلوم عوام اسیری کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ایک لاوا پک رہا ہے، جو کسی بھی وقت پھٹ کر پورے خطے کو لپیٹ میں لے سکتا ہے۔ مسئلہ کشمیر اور اس کے انسانی عوامل کو نظرانداز کرنا کسی کے مفاد میں نہیں ہے۔ جتنی جلد یہ حقیقت عالمی برادری کی سمجھ میں آجائے، بہتر ہے۔ مانا کہ بھارت ایک بڑی تجارتی منڈی ہے، مگر خود تجارت کے لیے بھی تو امن لازمی ہے۔